بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے وہ
(انعام: ۱۱۴) جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے نازل
کردہ حق کے ساتھ ہے۔ سو تم ہرگز شک
کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

انسانی زندگی کی تنظیم اور اس کے نظم واستحکام کے سلسلے میں جو وسیع ترین تعلیما[ت] قرآن نے دی ہیں اور انسان کی ہمہ جہتی فلاح پر مشتمل جو جامع نظام زندگی وہ عطا کرتا ہے ا[س] کا مرکزی نکتہ اسی عدل وانصاف کی آبیاری اور اس کا قیام واستحکام ہے۔ یہی بنیادی محور [ہے] جس کے گرد اس کی اجتماعی تعلیمات کا پورا نظام گردش کرتا ہے۔

ہندوستان میں اسلامی کتابوں کا
ایک بڑا مرکز
مکتبہ ذکری۔ رام پور یوپی

ہندوستان میں اہم دینی مراجع اور مدارس کی درسیات
کے لئے ہمیشہ یاد رکھیں
اصلاحی کتب خانہ
دیوبند

کلامیاتِ قرآن

مولانا عبدالباری فلسفیؒ کے اشارات

ڈاکٹر عبیداللہ فراہی

معقولات بالخصوص فلسفۂ جدیدہ میں مولانا عبدالباری صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں۔ سید صاحب
[...]ان کے متعلق لکھا ہے کہ "ہماری جماعت میں پروفیسر عبدالباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ، حیدرآباد، دکن)
[...]بڑھ کر فلسفۂ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں ہے"[1] مولانا نے دورِ جدید کے مغربی فلاسفہ مثلاً ڈیکارٹس، برکلے، ہیوم اور
[...]ٹ وغیرہ کی بعض کتابوں کے ترجمے کئے جو بہت مقبول ہوئے۔ ان کی آخری تصنیف "مذہب اور سائنس"
[...]۔ اس کے بعد وہ "کلامیاتِ قرآن" کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھنا چاہتے تھے لیکن عمر نے وفا نہ
[...]ور مولانا کی یہ آخری خواہش دل ہی میں رہ گئی۔ انتقال (۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء) کے کچھ دنوں بعد جب مولانا کے
[...] ترکہ کا جائزہ لیا گیا تو اس میں اس موضوع سے متعلق کوئی باقاعدہ تحریر نہ مل سکی۔ البتہ بعض قرآنی الفاظ کے
[...]ت کچھ مختصر اشارات اور بحثیں دو چھوٹی کاپیوں اور چند منتشر اوراق میں ملیں۔ اس میں بڑا حصہ متعلق آیات کا ہے
[...]یں مولانا نے غالباً دوران تحریر استفادہ کے لئے جمع کیا تھا۔ ذیل کی سطور میں انہی اشارات کو کسی قدر
[...]ب اور ضروری حواشی کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید تمام تر وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہے۔ مولانا نے ایک جگہ
[...]ائصِ وحی" کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت "وحی" اور "تنزیل" کے معنی میں خاص وعام کا
[...] بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں"۔ اس ضمن میں قرآن کی اس آیت سے
[...]شہاد کیا ہے:

[...] اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ[2]

[...]سیرۃ النبی مجلد سوم، تالیف: علامہ سید سلیمان ندوی (مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء) دیباچہ طبع اول ص ۱-۲
[2] نحل: ۶۸

۲۔ اوحیٰ الی الارض[۱]

نیز یہ کہ وحی "خدا کے ساتھ مخصوص نہیں" اس کی تائید میں یہ آیت پیش کی ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا[۲]

"تنزیل" کے متعلق لکھتے ہیں کہ "تنزیل انبیاء کے ساتھ خاص معلوم ہوتی ہے اور من اللہ ہی
ہے بخلاف وحی کے کہ نہ وہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور نہ اس کا من اللہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ البتہ
وہ من اللہ ہو تو انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اس کی نوعیت حق اور غیر مبدل وغیرہ ہونے میں دی
ہے جو تنزیل کی۔ آگے لکھتے ہیں کہ "غیر تنزیلی علم محض ظن وخرص ہوتا ہے۔"

انبیاء کے حق میں کسی غیر تنزیلی علم کے مولانا قائل نہیں اور نہ ان کے اندر کوئی مخصوص حاسہ
ہی تسلیم کرتے ہیں جس سے علم حقیقی تک ان کی رسائی ہو سکے جیسا کہ ابن سینا اور امام غزالی وغیرہ کا خیال
چنانچہ فرماتے ہیں کہ "حکماء، متکلمین اور صوفیہ کے کلام سے بالعموم ایسا مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم ال
میں قوتِ قدسیہ، قوتِ ملکیہ وغیرہ کوئی ایسی مستقل طاقت یا حاسہ ہوتا ہے جس سے ان کو غیبیات کا
حاصل ہوتا رہتا ہے اور یہی گویا وحی ونبوت کی حقیقت ہے۔ لیکن قرآن مجید سے ایسا مفہوم ہوتا ہے
عمل واخلاق کے کمال سے قطع نظر کر کے جہاں تک نفس علم کا تعلق ہے انبیاء کو عام انسانی ذرائع علم
علاوہ مستقلاً کوئی ایسا ناقابلِ خطا، کلی ذریعۂ علم حاصل نہیں ہوتا جس سے غیوب پر ان کو اطلاع ہ
ہو۔ بلکہ وحی وتنزیل کے ذریعہ جس وقت جس شے پر مطلع کیا جاتا ہے صرف وہی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ
ہوتا ہے اور اس لئے صرف وہی قطعی ہوتا ہے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ قوت مکاشفہ جو بالعموم صوفیہ یا غیر صوفیہ بلکہ غیر مومنین تک میں بعض لوگ
کم یا زیادہ پائی جاتی ہے وہ انبیاء میں بھی ہوتی ہو اور زیادہ اعلیٰ ہوتی ہو لیکن وہ بہرحال کوئی قطعی نہ
ایک ظنی ذریعۂ علم ہے۔

لہٰذا نبوت کی حقیقت کوئی کلی طاقت نہیں بلکہ جزئی تعلیم الٰہی ہے جو نہ ہر شخص کو حاصل ہو سکے
نہ ہر امر میں بلکہ صرف ان اشخاص کو ان امور میں حاصل ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔
باقی اللہ تعالیٰ کی تعلیم یا وحی وتنزیل کی کیا نوعیت ہوتی ہے اس کو صرف وہی جانتا ہے اور

---

[۱] غالباً آیت "بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا" کی طرف اشارہ ہے۔ زلزلہ: ۵ ۔ [۲] انعام: ۱۱۲

ہے جس پر وحی آتی ہے۔ انسان کا سارا علم تمثیل پر مبنی ہے جس شے کی مثال نہیں اس کا علم کیسے ہو سکتا
بلا مثال سے بھی صحیح علم نہیں ہوتا۔"

قرآن مجید منزل من اللہ ہونے کے سبب چونکہ اپنی تعلیم میں قطعی ہے اس لئے رشد وہدایت کے باب
رف وہی معتبر اور یقینی ہے اور تعلیم کے معنی ہدایت دینے ہی کے ہوتے ہیں۔ جب یہ ہے تو وہ تمام تر رحمت
ہت ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ سے حصول علم وہدایت کے لئے آغاز ہی میں اس بات کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا
ہے۔ الذی جو راہ ہدایت کے موانع کو دور اور رحمت الٰہی کو متوجہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں:

"کسی مقصد ومنزل کو پانے کے لئے سب سے مقدم راستہ کے موانع کو دور کرنا ہوتا
ہے۔ قرآنی کتاب ہدایت کی راہ مارنے والا سب سے بڑا شیطان ہے۔ اس لئے قرآن
کو ہدایت یابی کی نیت سے پڑھنے سے قبل شیطان یا شیطانی وساوس سے استعاذہ
ضروری ہے ــــ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"۔ "فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ
بِاللَّهِ"[۱]۔ پھر جس ذات نے اس کو انسانی ہدایت کے لئے بھیجا اس کی عام وخاص
شانِ رحمانیت ورحیمیت کو متوجہ کرنے کے لئے اسی کے نام سے کتاب کا آغاز
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوا۔

یہی انسان کی صحیح عقل اور فہم سلیم کا تقاضا اور معمول بھی ہے کہ وہ کسی مقصد کی خاطر مشکوک
خطر راستہ سے تا بہ امکان زیادہ سے زیادہ دور رہ کر صاف وسلامتی سے زیادہ سے زیادہ قریب
ب یا راستہ کو اختیار کرتا ہے۔ خواہ وہ دور ہی کا راستہ ہو۔ راہ راست برو اگرچہ دور است۔"

سرنامۂ کتاب "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کی "ب" کو مولانا نے برکت وعظمت، اکرام و
اور سند واقتدار کے لئے بتایا ہے۔ پھر "اسم" کے متعلق لکھا ہے کہ "تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ"
ہم اللہ بھی متبارک ہوگا۔ قولہ تعالیٰ "تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ"[۲] "میں ذی الجلال
ام رب کی صفت ہے لہٰذا اسم، جلال وجمال (اکرام) دونوں کی طرف مشیر ہے۔ ربوبیت کی وجہ سے
کے نام یعنی اللہ میں جلال واکرام پیدا ہو گیا ہے اور چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے عالمین یا کائنات
بڑی چھوٹی انفس وآفاق کی چیز پر یہ اسم یا نام پیش کیا جائے یا اس کے سامنے لیا جائے تو وہ اس
رحمت وجلال اور عزت واکرام کے آگے خاضع وساجد ومطیع ہو جائے جس طرح کسی بادشاہ کی مملکت

---

[۱] نحل: ۹۸ [۲] رحمٰن: ۷۸

میں اس کا نام ادنیٰ واعلیٰ سب کے لئے عظمت وسند اور جلال واکرام کا باعث ہوتا ہے اور اس کا
لے کر سب سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ساری کائنات سے استعا
اور استخدام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہر چھوٹے بڑے کام میں کامیابی، رہنمائی اور برکت کے لئے "بسم اللہ"
چاہیئے پھر وہ کام ہو تو ٹھیک نہ ہو تو ٹھیک۔

ذات "اللہ" کا علم وتصور ممکن نہیں اس لئے اسم ذات اور صفات ہی کے ذریعہ اس کو
زندگی بنایا جا سکتا ہے اور کسی شے کا نام دراصل اس شے ہی کی یاد کے لئے ہوتا ہے"۔

"اللہ" کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"اللہ:۔ اسم ذات جو اپنی ذات میں غنی عن العالمین ہے۔ یعنی مرتبۂ ذات وہویت
میں اس کی غیر اللہ کے ساتھ کوئی نسبت واضافت نہیں۔ باقی اسماء، مخلوقات
یا غیر اللہ کے ساتھ اس ذات کی اضافات اور نسبتوں ہی کو ظاہر کرتے ہیں۔ رحمٰن ورحیم
کے لئے مرحوم، رب کے لئے مربوب اور رازق کے لئے مرزوق وغیرہ کا تعلق ضروری
ہے۔ [۱] لیکن ساتھ ہی جس طرح ذات جامع صفات ہے اسی طرح اسم ذات جامع
اسماء صفات ہے"۔

"اللہ" "الٰہ" سے ہے مولانا نے اسکے چار مفاہیم بیان کئے ہیں (۱) بندگی وعبادت (۲)
باعتبار علم ذات (۳) مرجع سکون قلب (۴) ملجأ وپناہ۔ [۲] لیکن ان مفاہیم کی رعایت سے
کی تشریح کرنے کے بجائے مولانا نے بعض تاریخی حقائق بیان کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے:

"اسی الٰہ پر الف لام داخل ہو کر اللہ بنا جو زمانۂ جاہلیت ہی سے لغت میں خالق ارض
وسما کیلئے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا اور غیر اللہ کے لئے اس کا استعمال قطعاً

---

[۱] عبد اور معبود کے درمیان نسبت وتعلق کو ظاہر کرنے کا یہ انداز بڑی حد تک وحدۃ الوجودی معلوم ہوتا
میں نقصان یہ ہے کہ خدا اپنی صفات میں محتاج الی الغیر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ابن عربی کا خیال ہے کہ "خدا
دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں کوئی کسی سے مستغنی نہیں۔ عالم اپنے وجود کے سلسلہ میں اور خدا ا
کے ظہور کے معاملہ میں۔ دیکھئے شرح فصوص الحکم، مولانا جامی (مطبع فیض بخش فیروزپور ۱۹۰۷ء) ص ۴۶-۴۷ نیز

[۲] یہ مفاہیم امام راغب کی مفردات سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں، دیکھئے المفردات فی غرائب القرآن
مصر ۱۳۲۴ھ ص ۲۰-۳۰

"ولئن سألتهم من خلق السماوات والأرض ليقولن الله" [۱]
نہ تھا۔
یہود ونصاریٰ کے پاس ذات کے لئے کوئی نام نہیں رہ گیا تھا۔ اِلٰہ یا عبرانی کا ایل جو اسرائیل
(اللہ)، وغیرہ میں ہے، یہ سیّد، حاکم، جبار، عفریت سب کے لئے بولا جاتا تھا اور اسے بطور جمع استعمال
تھے۔ زبور میں ہے "وہ اِلٰہوں کے درمیان عدالت کرتا ہے" [۲] حکام کو بھی اِلٰہ کہتے تھے۔ توراۃ میں
"وہ ہارون، تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ تیرا منہ ہوگا اور تو (موسیٰ) اس کا
(اِلٰہ) ہوگا"۔ [۳] حضرت موسیٰ کے لئے حضرت ہارون کو محکوم یا تابع کہنے کے لئے ان کو اِلٰہ کہا گیا۔
یہود میں ذات اللہ کے لئے یہوہ کا لفظ تھا جس کے متعلق عجیب بات یہ ہے کہ اس کو وہ عام
استعمال کرنا بھی جائز نہیں رکھتے تھے۔ اس پر اعراب تک نہ لگاتے تھے تاکہ لوگ اس کا صحیح طور پر
ہی نہ کر سکیں۔ جماعت کے سامنے سال میں صرف ایک مرتبہ نام لیتے تھے۔ اسی کو اسم اعظم خیال کرتے
ور کیا محرومی ہے کہ اس ہوائی اور خود ساختہ عظمت کی بدولت اللہ کے نام ہی سے محروم ہو بیٹھے۔ [۴]

اللہ کے بعد اس آیت میں جو دو اسماء حسنیٰ "رحمٰن" و "رحیم" آئے ہیں ان کے معنی ومفہوم کی
حت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "رحمٰن" کا تعلق اس قسم کے امور رحمت سے معلوم ہوتا ہے جو انسان
لق ہونے سے قبل اس کو ذات وصفات عطا کرنے، اس کی بقا وحفاظت وجود اور اس کی ربوبیت
(۲) تحمل انسانیت کے اسباب فراہم کرنے بلکہ ساری کائنات فطرت کو اس کے لئے خلق فرمانے میں
الی ہے اور رحیم سے وہ مظاہر رحمت جو بعد مکلّف ہونے کے اطاعت وعبادت وغیرہ حقوق توحید
ت کے ادا کرنے یا اس کی الوہیت وربوبیت کے ایمان واقرار اور اعمال صالحہ پر مرتب ہوتے ہیں
رح والدین کی رحمت کے ایک تو وہ افعال ہیں جو بچے کے سن شعور کو پہونچنے سے قبل اس کی تولید
ش کا سامان ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جن کا سن شعور کے بعد اطاعت وفرماں برداری اور والدین
ق شناسی پر مرتب ہوتا ہے۔
بالفاظ مختصر "رحمٰن" کا تعلق سلسلہ ربوبیت (جس میں وجود بخشی بھی شامل ہے) کی رحمتوں سے
ہوتا ہے اور "رحیم" کا رب شناسی کے سن کو پہنچ کر حقوق ربوبیت کے اعتراف وادائی سے"۔
رحمٰن ورحیم کی اصل "رحم" کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "رحم کی حقیقت بلا طلب واستحقاق

زمر: ۳۸ [۲] زبور، تیسری کتاب ۸۲-۱؛ [۳] خروج ۴: ۱۶ [۴] غالب گمان ہے کہ یہ بحث مولانا
تفسیر آیت بسم اللہ سے ماخوذ ہے۔ دیکھئے فاتحہ تفسیر نظام القرآن (مطبعۃ الاصلاح، الہند) ۱۳۵۷ھ ص ۳۹-۴۰

ایصال خیر و دفع شر، بخشش و عطا اور اعانت و احسان ہے۔ ظاہر ہے کہ کائنات اور انسان کسی کو بھی وصفات کسی سابق طلب اور استحقاق کی بنا پر نہیں عطا ہوئے ہیں۔

پھر رحمت کی دو صورتیں، خاص و عام بتائی ہیں جس میں ماقبل الذکر ہی کی مزید توضیح و تشریح

"۱۔ عام عطاء وجود وصفات ۲۔ خاص ترتب نتائج وثمرات۔ یا عام جو دوران ربوبیت میں سامانِ پرورش فراہم کرتی ہیں اور خاص جو ان سامانوں اور ربوبیت کے ثمرات ونتائج کو ضائع نہیں فرماتیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ[۱]۔ مثلاً درخت کی پرورش بھی ہو، اس کے ثمرات بھی ظاہر و پیدا ہوں پھر ان ثمرات کو ضائع و برباد کر دیا جائے یا رحمت عامہ جو مومن و کافر، عاصی و فرماں بردار سب کو عام ہو اور رحمت خاصہ جو مومن و مطیع کے ایمان و اطاعت پر مرتب ہو اور اس کو ضائع نہ ہونے دے۔ كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا[۲] رحمت میں وسعت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ خاص و عام دونوں کو محیط ہو۔ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ[۳]۔ رحمت خاصہ کا باغیوں کو عموم عدل کے منافی ہے"

مولانا کے بیان کے مطابق رحمت کی یہ دونوں صورتیں یعنی رحمانیت و رحیمیت کا عموم بعثت انبیاء اور تعلیمات الٰہی میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"کتاب فطرت (کائنات) کی طرح کتاب ہدایت بھی رحمانیت و رحیمیت کا مظہر ہے کہ اس کی تعلیم اور طرز تعلیم دونوں میں رحمت ہی کے اقتضاءات سابق و غالب ہیں کہ اہتدار کے لئے صرف عقل و فکر پر مدار نہیں رکھا گیا بلکہ انبیاء اور کتابوں کا ارسال و نزول فرمایا گیا۔ پھر کتابوں میں غایت رحمت و شفقت کا اسلوب اختیار فرمایا گیا اور انبیاء کی زندگی کو رحمت و رأفت بنایا گیا۔ یہ سب تو رحمٰن کے عموم کے تحت ہے، رحیم کے خصوص کے تحت اس ہدایت کے قبول کرنے والوں اور فرماں برداروں کے لئے خصوصی رحمتوں سے بھی دریغ نہیں فرمایا گیا۔"

ان تین بنیادی اسماء الٰہی سے قرآن اور تعلیم قرآن کا آغاز اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی طلب و احتیاج فطرت انسانی کو از ابتدا تا انتہا ہے۔ مولا

"بسم اللہ میں تین اسماء الٰہیہ کے ساتھ استعانت کا امر ہے (۱) اللہ (اسم ذات) جس

---

[۱] توبہ: ۱۲۰ ، [۲] احزاب: ۴۳ ، [۳] اعراف: ۱۵۶

کے بغیر خلق و ایجاد نہ ہوتی۔ "اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ[۱]"

(۲) رحمٰن جو خلق و ایجاد کے بعد ہر شے کے لئے اسباب فراہم فرماتا ہے، حق و باطل، کفر و ایمان، خیر و ... کے (۳) رحیم جو ان اسباب پر خاص خاص ثمرات مرتب فرماتا ہے لہٰذا جب تک ان تینوں ... سے استعانت اور استمداد نہ ہو کوئی کام چل ہی نہیں سکتا۔"[۲]

آیت "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" کے ذیل میں مولانا نے حمد کے تعلق سے بعض اشارات ... ہیں:

"۱۔ حمد کا ترتب ربوبیت کے افعال اختیاری پر ہوتا ہے اور غیر اللہ میں اختیار ذاتی کہاں۔ لہٰذا حمد کا سزاوار صرف اللہ ہی ہے۔

۲۔ اللہ کے لئے حمد ثابت ہے جو لازمۂ ربوبیت ہے۔

۳۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا[۳]

رب میں صفات کمالات مذکورہ ہونا لازم ہے جبھی وہ سزاوار حمد ہوگا۔"

... کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"جس میں جو صلاحیت ہے اس کو اس کے کمال تک پہونچانا[۴] یا کسی شے کی تدریجی

---

[۱] رعد: ۱۶ [۲] رحمٰن و رحیم کے معنوی فرق پر مولانا کی اس ساری بحث کی بنیاد غالباً طبری کی اس روایت ... عزری سے منقول ہے اس میں انھوں نے رحمٰن کو تمام مخلوقات اور رحیم کو مومنین کے لئے خاص بتایا ہے ... لابی جعفر محمد بن جریر الطبری (دار المعارف، مصر ۱۹۶۹ء) ج ۱ ص ۱۲۷ نیز اس کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے ... ابن عزری کو "ضعیف جداً" کہا گیا ہے اور مسند، ۶۹۳۸، میں حضرت امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ... حدثیہ شیئا" حاشیہ تفسیر طبری، تحقیق و تعلیق، محمد شاکر، ج ۱ ص ۱۲۷۔ نیز امام بخاری و امام نسائی نے ... متروک الحدیث ہونے ذکر کیا ہے کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری تحقیق محمود ابراہیم زائد، (حلب ۱۳۹۶ھ) ... الضعفاء والمتروکین، ابو عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی (حلب ۱۳۹۶ھ) ص ۹۲۔ مزید برآں قرآن میں ... استعمال صرف مومنین اور اہل خصوص ہی کے لئے نہیں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ہے: فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (ابراہیم: ۳۶) اور نہ صرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تکمیل اور اس کے اسباب کی فراہمی۔ لہذا ربوبیت کے لئے ضروری ہے کہ تربیت کا ایک پورا سلسلہ و نظام ہو جو ایک طرف عالمین کی ہر شے کے لئے اور دوسری طرف سارا نظام عالم انسان کی تکمیل و تربیت کے لئے ہو۔ رب کا مفہوم پرورش و تکمیل "کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا"[1] سے بھی ظاہر ہے۔"

ربوبیت سے انسان کے تعلق کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"لفظ "اللہ" کے بعد قرآن مجید میں سب سے زیادہ اسم رب یا صفت ربوبیت اور اس کی آیات خلق و تربیت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف و تصور کرایا گیا ہے اور اس کے ساتھ انسان کا تعلق عبادت و استعانت سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے رب الٰہ کا مساوی ہے۔"

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"رب دراصل وہ ہے جس سے نہ صرف عطاء وجود بلکہ بقاء وجود ہے۔ ربوبیت تربیت کسی وجود کے بقاء و تحفظ کے ساتھ اس کی تکمیل کا نام ہے تکمیل کے لئے بقاء مقدم اور موقوف علیہ ہے۔ بغیر اس کے تکمیل ہو ہی کیسے سکتی ہے۔"

عبادت و استعانت کا تعلق براہ راست ربوبیت سے ہے نہ کہ خالقیت سے۔ غیر اللہ ... کوئی نہیں جانتا البتہ رب ہونے کا ان پر دھوکا ہوتا ہے یعنی ہمارے وجود کا بقا و تحفظ، نفع ... اس کی تکمیل میں غیر اللہ کا دخل معلوم، بلکہ محسوس و مشاہد ہوتا ہے۔ "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَ... بَیْنَهُمَا"[2]، "رَبُّکُمْ وَرَبُّ آبَاۤئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ"[3] اور "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ"[4] سے اسی اح... مشاہدہ کی تردید ہے کہ ہر جگہ، ہر زمانہ اور ہر جہت میں جو کچھ ہو رہا ہے سب تمام تر اسی کی ربوبیت ... پروردگاری کا جلوہ ہے۔ جن چیزوں کو فاعل ربوبیت سمجھا جاتا ہے وہ صرف وسائل ربوبیت ...

گذشتہ صفحہ کا بقیہ: رحمت خاصہ سے اس کا تعلق ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا ... الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ ...

[3] اسراء: ۱۱۱، [4] امام راغب کی مفردات میں ہے "الرب فی الاصل التربیۃ وھو انشاء الشیء حالا ... التمام" المفردات فی غرائب القرآن ص ۱۸۲ یہ مفہوم اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔ حاشیہ صفحہ ہذا

[1] اسراء: ... [2] مریم: ۶۵، [3] صافات: ۱۲۶ [4] شعراء: ۲۸

... قوۃ الا باللہ" کسی میں کوئی قوت نہیں تو فعل کہاں سے ہوگا۔ فعل تو نام ہے قوت ہی کے ظہور کا۔[1]

... اللہ کے رب ہونے کی شرط مولانا نے ضرور بتائی ہے۔ ورنہ وہ مستحق عبادت و استعانت نہیں ... سکتا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

"دین کا ماحصل توحید اور توحید کا ماحصل عبادت و استعانت کا مرجع ذات واحد کو قرار دینا جو موقوف ہے ذات واحد کے رب ہونے پر جس کو آدمی رب یقین کرے گا لازماً اسی سے ذلت و اطاعت (عبادت) اور احتیاج و افتقار (استعانت) کی نسبت و تعلق رکھے گا، نذر و نیاز اور پوجا و پرستش کرے گا۔ قرآنی توحید کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ عدداً ایک ہے۔ عدداً اگر وہ ایک ہی ہے تو ہم سے کیا تعلق و مطلب ہم سے تو کوئی تعلق جب ہی پیدا ہوتا ہے جب اس تعلق سے ہمارا کچھ بنتا بگڑتا ہو یا ہمارا نفع و ضرر متعلق ہو۔"

... ت کے ساتھ ربوبیت کے تعلق سے مزید بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"دراصل دعوت ربوبیت دعوت الوہیت (لا الٰہ الا اللہ) کا ناگزیر لازمہ ہے۔ توحید الوہیت کا مطالبہ نافع و ضار، نفع رساں اور ضرر رساں ذات کی وحدت کا دعویٰ و دعوت ہے کہ کائنات میں ہر موجود و مخلوق کا ہر طرح کا چھوٹا بڑا نفع و ضرر بالذات ایک ہی ذات کے ہاتھ میں ہے لیکن ہر مخلوق و موجود کا اپنی فطرت و خلقت یا خلقی وجود کے تقاضوں کی رو سے نفع و ضرر اس کے خاص خلقی تقاضوں ہی کی تکمیل و تشفی

... توحید ربوبیت سے متعلق ایک عبارت بالکل خطیبانہ انداز کی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ غیر اللہ ... ت و تاثیر محض ہمارے مشاہدے کا دھوکا ہے۔ اس طور پر کہ کائنات کی کسی شے میں جب کوئی فعل و اثر ... و خاصیت ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو دراصل ہم نہ فعل کو دیکھتے ہیں نہ قوت و خاصیت کو بلکہ صرف اثر ... کے بعد معلول کے ظہور کو، لیکن اس اثر کا فاعل و موثر خود اشیاء میں یا علل کے اندر پایا جاتا ہے اس ... ور کانٹ دونوں نے انکار کیا ہے اور اس انکار کا انکار آسان نہیں۔ تو اگر خود اشیاء میں علت ... یا فعل و اثر کو ثابت کرنا آسان نہیں تو پھر نفع و ضرر جو اسی فعل و اثر ہی کا انسان کے تعلق سے دوسرا نام ... و عالم شہادت کی اشیاء کی طرف منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب نفع و ضرر کی غیر اللہ سے ... تو فعل و اثر کی نفی ہو گئی اور جب فعل کی نفی ہو گئی تو صفت کی ہو گئی اور جب صفت کی ہو گئی تو وجود کی ہو گئی۔

کی فراہمی کا نام ہے۔ مثلاً شیر یا اسد کی اسدیت یا اسدی صفات و مطالبات کی تشفی و تکمیل حس لحمی غذا (گوشت) کو چاہتی ہے۔ بیل یا بقر کے بقری صفات کی تشفی و تکمیل اس کے برخلاف نباتی غذا کی متقاضی ہوتی ہے۔"

یہی صورت حال تمام مخلوقات کی ہے کہ ہر نوع کی تشفی و تکمیل اپنے اپنے نوعی خلقی تقاضوں ہی ہے۔ اس لئے جو ذات ہر مخلوق کے نفع و ضرر کی مالک ہے اس کو اس کی نوعی خلقی تکمیل و تشفی یا ربو میں ربوبیت بالفاظ دیگر تربیت و پرورش کا بھی تنہا واحد مالک ہونا چاہئے۔ یعنی الوہیت یا عبادت استحقاق کے لئے ربوبیت لازم ہے کہ کسی مالوہ حقیقی نفع و ضرر اس کی خصوصی اور امتیازی صفات کی و تکمیل ہی ہے۔

اس لئے توحید الوہیت آپ سے مستلزم ہے۔ توحید ربوبیت کو جو الٰہ ہے اس کو لازماً ر ہونا چاہئے اور وہی بالکلیہ ہماری عبادت و طاعت یا بندگی و غلامی کا بھی واحد حقدار ہوگا اور یہی کی طرح انسانی خلقت و زندگی کی صحیح راہ ہوگی۔ اس لئے "مَالَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ" کا قدرتی لازم اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ[1] ہے۔"

---

[1] آل عمران: ۵۱۔ نیز زخرف: ۶۴۔

حقیقت نماز

مجلہ علوم القرآن کے شمارہ اول کے ساتھ ادارہ علوم القرآن کے اشاعتی سلسلہ کا بھی آغاز ہے۔ اس سلسلے کی پہلی پیش کش برصغیر کے نامور عالم دین صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلا مدظلہ کی مختصر لیکن نہایت قیمتی اور اہم کتاب 'حقیقت نماز' ہے جس میں نماز کے موضوع پر با اچھوتے اور منفرد انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ ادارہ علوم القرآن نے اسے تحقیق و تخریج کے س شائع کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

قیمت صرف:

آج ہی لکھیں:

منیجر ادارہ علوم القرآن، یونیورسٹی نگر۔ علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۱

مولانا فراہیؒ کے قلمی حواشی

الاتقان فی علوم القرآن پر

ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی

ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی ان کے حالات میں رقم طراز ہیں:

"مطالعہ کے لئے ہمیشہ اونچے درجے کی چیزیں منتخب کرتے تھے اور ہر چیز کو نہایت گہری تنقید کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کتاب انگریزی ہو یا عربی اس کے حاشیہ پر عربی میں اس کے تمام اہم مباحث پر اپنے تنقیدی نوٹ لکھتے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پڑھی ہوئی کتابیں اہل علم کے لئے بڑی قیمتی چیز بن جاتی تھیں۔" (مجموعہ تفاسیر: ۲۲)

چنانچہ علامہ فراہی کا ذاتی کتب خانہ نہایت نفیس اور ہر فن کی امہات الکتب پر مشتمل تھا اور اس کتب خانہ میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر ان کے دو ایک حاشیے نہ ہوں۔ ان حواشی کی خصوصیات پر کبھی تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ سر دست امام سیوطیؒ کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" پر علامہ نے جو حواشی لکھے ہیں وہ پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ حواشی راقم السطور نے ۱۳ صفر ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۷۵ء کو مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں نقل کئے تھے۔

الاتقان پہلی بار ۱۲۷۱ھ میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی پھر متعدد ایڈیشن نکلے۔ ۱۳۸۷ھ میں محمد ابو الفضل ابراہیم نے مکتبہ آصفیہ حیدرآباد کے ایک نادر نسخہ کی بنیاد پر چار حصوں میں ایک تحقیقی ایڈیشن تیار کیا جو قاہرہ سے شائع ہوا۔ علامہ فراہی کے پاس اس کتاب کا جو نسخہ تھا وہ مطبع کستلیہ مصر ۱۲۷۹ھ کا چھپا ہوا ہے۔ یہ نسخہ مدرسۃ الاصلاح کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر علامہ فراہی نے اپنے نام کے ساتھ کتاب کی قیمت اور خریداری کی تاریخ اس طرح لکھی ہے:

"اشتریته فی حیدرآباد بسبع روبیات عثمانیه فی شهر ربیع الثانی من ۱۳۳۳ھ۔ عبد الحمید الفراهی"

یہ تحریر اس پہلو سے اہمیت رکھتی ہے کہ اس سے علامہ کے ان حواشی کا زمانہ متعین
علامہ کا انتقال ۱۳۴۹ھ میں ہوا۔ گویا یہ کتاب انتقال سے سولہ (۱۶) سال قبل خریدی گئی اور
علامہ کے آخری عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان حواشی کو اردو میں پیش کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ حواشی اور ان کا سیاق و سب
صرف اردو میں ہوں۔ مگر پھر مناسب یہ معلوم ہوا کہ سیاق و سباق تو صرف اردو میں ہو کر ا
قابلِ ذکر کتب خانہ میں موجود ہے مگر حواشی کو اردو ترجمہ کے ساتھ اصل عربی میں بھی ہونا چاہیے
کر محفوظ ہو جائیں اور ان کی حفاظت الاتقان کے اس نسخہ کی رہین منت نہ رہے جو صرف مدرسہ
کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ نیز اردو ترجمہ میں اگر مجھ سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہو تو اصل حاشیہ سا
اور اس کی اصلاح کی جا سکے۔ اسی طرح احتیاط کے باوجود حاشیہ نقل کرنے میں کوئی چوک ہو
کے نسخہ سے مقابلہ کر کے اسے درست کیا جا سکے۔

سیاق و سباق کے آخر میں الاتقان کے اس ایڈیشن کا حوالہ ہے جس کے حاشیہ پر قا
باقلانی کی اعجاز القرآن چھپی ہے۔ عام طور پر چونکہ یہی ایڈیشن دستیاب ہے اس لئے قارئین کی سہو
لیے اس کا بھی حوالہ دیا گیا۔ علامہ فراہی کے نسخہ کا حوالہ ان کے حاشیہ کے بعد دیا گیا کہ یہ حواشی ا
گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کوشش قرآن مجید کے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہو۔

---

(۱) امام سیوطی نے امام زرکشی کا یہ قول ان کی کتاب (البرہان فی علوم القرآن ۱: ۳۱) سے
ہے کہ صحابہ و تابعین کا یہ معروف طریقہ ہے کہ جب وہ کہتے ہیں یہ آیت فلاں مسئلہ
ہوئی تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آیت مذکورہ اس حکم پر مشتمل ہے۔ یہ مطلب نہیں
یہ حکم آیت کے نزول کا سبب ہوا۔ پس ان کے اس قول کی نوعیت حکم پر آیت
کی ہوتی ہے نہ کہ نقل واقعہ کی۔ (۱: ۴۲)

حاشیہ فراہی

أصاب الزرکشی رحمہ اللہ (۱: ۳۹) — زرکشی رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا۔

(۲) امام زرکشی کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد امام سیوطی نے اپنی رائے لکھی ہے کہ سبب نزول اس واقعہ کو کہیں گے جس کے زمانہ وقوع میں آیت کا نزول ہوا۔ (۱: ۴۲)

حاشیہ فراہی

أخطأ فیما فہم من سبب النزول — سبب نزول کے سمجھنے میں غلطی کی۔

(۱: ۳۹)

(۳) امام سیوطی لکھتے ہیں: بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت متعدد بار نازل ہوئی۔ یہ بات میں نے کتاب (الکفیل بمعانی التنزیل) میں دیکھی ہے۔ (۱: ۴۸)

حاشیہ فراہی

لم یذکر اسم المصنف لکتاب الکفیل بمعانی التنزیل (۱: ۴۴) — کتاب (الکفیل بمعانی التنزیل) کے مصنف کا نام ذکر نہیں کیا۔

(۴) الاتقان میں ہے: بہت سے عوام کا گمان ہے کہ "سبعۃ أحرف" سے مراد قراءات سبع ہیں اور یہ جہل قبیح ہے۔ (۱: ۶۶)

حاشیہ فراہی

القراءات السبع لیست التی أرید من الاحرف السبعۃ (۱: ۶۲) — "سبعۃ أحرف" سے مراد قراءات سبع نہیں ہیں۔

(۵) الاتقان میں ہے: صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ مصاحف عثمانیہ کو ان صحیفوں سے نقل کیا جائے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھوائے تھے، اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس کو ترک کر دیا جائے۔ مولانا فراہی نے ذرا ترمیم کے ساتھ یہی عبارت نقل کر دی ہے (۱: ۶۶)

حاشیہ فراہی

اجمع الصحابۃ رضی اللہ عنہم علی نقل المصاحف العثمانیہ من المصحف الاول — حضرات صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ مصاحف عثمانیہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ

علیہ حب الروایات ۔ والصواب ھو الاعتماد علی ما ثبت من استعمال العرب ۔ واما الروایات فأکثرھا لم تثبت سندا ، ثم إنھا لم تبین معانی الالفاظ وإنما تدل علی ماھو المراد فی مواضع خاصۃ ، وتری فیھا اختلافا شدیدا (۱:۱۳۲)

آگئی ۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اہلِ عرب کے استعمال سے جو ثابت ہو اس پر اعتماد کیا جائے جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو بیشتر سنداً ثابت نہیں پھر روایات الفاظ کے معنی بیان نہیں کرتیں وہ تو خاص مواقع پر جو مراد ہے اس کی وضاحت کرتی ہیں ۔ مزید برآں ان میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے[۵۸]

(۲۲) اس کے بعد امام سیوطی نے علی بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس سے الفاظ قرآن کی جو شرح مروی ہے اسے الاتقان کے تقریباً سات صفحات میں یکجا نقل کیا ہے ۔ "اس لئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کے جو صحیح ترین طرق ہیں ان میں اس کا شمار ہوتا ہے[۵۹] چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں اسی طریق پر اعتماد کیا ہے[۶۰]" مولانا فراہی نے مندرجہ ذیل الفاظ کی شرح پر خط کھینچا ہے جس سے ان کے مذکورہ بالا تبصرہ کی تائید ہوتی ہے ۔ ہم یہ الفاظ اور ان کی شرح لکھتے ہیں :

۱۔	أمّرنا مترفیھا	(الاسراء : ۱۶)	سلطنا شرارھا [۱۱]
۲۔	لاتقفُ	(الاسراء : ۳۶)	لاتقل [۱۲]
۳۔	الصدفین	(الکھف : ۹۶)	الجبلین [۱۳]
۴۔	سَوِیّا	(مریم : ۱۰)	من غیر خرس [۱۴]
۵۔	سَرِیّا	(مریم : ۲۴)	ھو عیسی [۱۵]
۶۔	کلّ شیئٍ خلقہ	(طہ : ۵۰)	خلق لکل شیئٍ زوجہ [۱۶]
۷۔	ثم ھدی	(طہ : ۵۰)	لمنکحہ ومطعمہ ومشربہ ومسکنہ
۸۔	لایضل	(طہ : ۵۲)	لایخطئ ۔ [۱۷]
۹۔	تارۃ	(طہ : ۵۵)	حاجۃ [۱۸]
۱۰۔	فلا یخاف ظلما	(طہ : ۱۱۲)	ان یظلم فیزاد فی سیاتہ [۱۹]
۱۱۔	جذاذا	(الانبیاء : ۵۸)	حطاما [۲۰]
۱۲۔	سامرا تھجرون	(المؤمنون : ۶۷)	تسمرون حول البیت وتقولون ھجرا [۲۱]

یہ روایت ابن الانباری نے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ (الورود : الدخول) حسن بصری کی جانب سے لفظ "ورود" کی تفسیر ہے جس کو کسی راوی نے غلطی سے قرآن میں ملادیا ۔ (۱ : ۱۰۲)

شیہ فراہی

غلط الرواۃ فی ظنھم التفسیر قراءۃ ۔ وھذا کثیر (۱:۹۷)

تفسیر کو قراءت سمجھ کر راویوں نے غلطی کی اور ایسا بہت ہوا ہے ۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک سورہ فاتحہ اور معوذتین قرآن میں شامل نہیں ۔ اس سلسلہ میں امام ابن حزم کا قول ان کی کتاب (المحلی) سے نقل کیا ہے کہ "یہ روایت موضوع ہے اور حضرت مسعودؓ پر اتہام ہے ۔ صحیح قراءت جو ان سے منقول ہے وہ "عاصم عن زر عن ابن مسعود" کے طریق سے ہے اور اس میں فاتحہ اور معوذتین موجود ہیں ۔ (۱:۱۰۵)

یہ فراہی

أصاب ابن حزم (۱:۹۹)

ابن حزم نے صحیح فرمایا ۔

ابن حزم کے قول کے بعد حافظ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے جس میں موصوف نے مختلف روایات نقل کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک مذکورہ سورتیں قرآن سے خارج تھیں ۔ لکھتے ہیں : پس جو یہ کہتا ہے کہ یہ ابن مسعود پر اتہام ہے اس کا قول مردود ہے اور صحیح روایات پر بغیر کسی دلیل کے طعن کرنا قابلِ قبول نہیں ۔ (۱ : ۱۰۵)

یہ فراہی

أخطأ ابن حجر فیما ردّ علی ابن حزم (۱:۱۰۰)

ابن حزم کی تردید میں ابن حجر نے غلطی کی ۔

امام بیہقی وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ رؤس آیات (آیتوں کے ختم) پر وقف کرنا افضل ہے اگرچہ آیت کا تعلق مابعد سے ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اسی میں ہے ۔ ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید پڑھتے تو ایک ایک آیت کو علیحدہ علیحدہ پڑھتے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر ٹھہر جاتے پھر "الحمد رب العالمین"

گئے ہیں۔

(۱۱) امام سیوطی امام بغوی کی (شرح السنۃ) سے روایت کرتے ہیں: اس اندیشہ سے کہ حفاظ ق
اٹھنے سے قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، صحابہ نے قرآن کو بغیر کسی کمی بیشی کے بین
محفوظ کیا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے سنا تھا اسی طرح لکھا۔ کسی
اور مؤخر نہیں کیا۔ کوئی ایسی ترتیب اختیار نہیں کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ
کا جو حصہ آپ پر نازل ہوتا آپ اسی ترتیب کے مطابق جو اس وقت ہمارے مصاحف میں
صحابہ کو سکھاتے۔ آپ کو اس کا علم حضرت جبریل کے ذریعہ ہوتا۔ ہر آیت کے نزول کے
حضرت جبریل آپ کو بتاتے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد فلاں سورہ میں لکھی جائے۔ اس
ثابت ہوا کہ صحابہ کی جد و جہد قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے تھی نہ کہ اس کو مرتب
لیے۔ قرآن لوح محفوظ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یکجا
دنیا پر نازل کیا پھر ضرورت پر متفرق طور سے نازل ہوتا رہا۔ ترتیب نزول ترتیب تلاو
مختلف ہے۔ (۱: ۸۲)

حاشیۂ فراہی

أصاب البغوی رحمه الله (۱: ۷۷)	بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا۔

(۱۲) امام سیوطی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سورتوں کو اگر مسلسل یکے بعد
پڑھا ہے تو اس سے یہ استدلال نہیں کرنا چاہئے کہ ان کی ترتیب بھی اسی طرح ہے۔ پس
سے قبل سورۂ نساء پڑھنے کی روایت رد نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ قرارت میں سور
ترتیب واجب نہیں، اور شاید آپ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو۔ (۱: ۸۴)

حاشیۂ فراہی

روایة قراءة النساء قبل آل عمران لا تصح (۱: ۷۹)	آل عمران سے قبل نساء کے قرارت کی روایت صحیح نہیں ہے

(۱۳) حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آیت ذیل کو اس طرح پڑھتے تھے:

" وَإِن مِّنكُم إِلَّا وَارِدُهَا " الورود الدخول (مریم: ۷۱)

یہ روایت ابن الانباری نے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ (الورود: الدخول) حسن بصری کی جانب سے لفظ "ورود" کی تفسیر ہے جس کو کسی راوی نے غلطی سے قرآن میں ملا دیا۔ (۱: ۱۰۲)

حاشیۂ فراہی

غلط الرواة فی ظنهم التفسیر قراءة - وهذا کثیر (۱: ۹۷)	تفسیر کو قرارت سمجھ کر راویوں نے غلطی کی اور ایسا بہت ہوا ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک سورہ فاتحہ اور معوذتین قرآن میں شامل نہیں۔ اس سلسلہ میں امام ابن حزم کا قول ان کی کتاب (المحلی) سے نقل کیا ہے کہ "یہ روایت موضوع ہے اور حضرت مسعودؓ پر اتہام ہے۔ صحیح قرارت جو ان سے منقول ہے وہ "عاصم عن زر عن ابن مسعود" کے طریق سے ہے اور اس میں فاتحہ اور معوذتین موجود ہیں۔ (۱: ۱۰۵)

حاشیۂ فراہی

أصاب ابن حزم (۱: ۹۹)	ابن حزم نے صحیح فرمایا۔

ابن حزم کے قول کے بعد حافظ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے جس میں موصوف نے مختلف روایات نقل کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک مذکورہ سورتیں قرآن سے خارج تھیں۔ لکھتے ہیں: پس جو یہ کہتا ہے کہ یہ ابن مسعود پر اتہام ہے اس کا قول مردود ہے اور صحیح روایات پر بغیر کسی دلیل کے طعن کرنا قابلِ قبول نہیں۔ (۱: ۱۰۵)

حاشیۂ فراہی

اخطأ ابن حجر فیما ردّ علی ابن حزم (۱: ۱۰۰)	ابن حزم کی تردید میں ابن حجر نے غلطی کی۔

امام بیہقی وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ رؤس آیات (آیتوں کے ختم) پر وقف کرنا افضل ہے اگرچہ آیت کا تعلق مابعد سے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اسی میں ہے۔ ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید پڑھتے تو ایک ایک آیت کو علیحدہ علیحدہ پڑھتے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر ٹھہر جاتے پھر "الحمد رب العالمین"

گئے ہیں۔

(۱۱) امام سیوطی امام بغوی کی (شرح السنۃ) سے روایت کرتے ہیں: اس اندیشہ سے کہ
اٹھنے سے قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، صحابہ نے قرآن کو بغیر کسی کمی بیشی
محفوظ کیا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے سنا تھا اسی طرح لکھا
اور موخر نہیں کیا۔ کوئی ایسی ترتیب اختیار نہیں کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
کا جو حصہ آپ پر نازل ہوتا آپ اسی ترتیب کے مطابق جو اس وقت ہمارے مصاحف
صحابہ کو سکھاتے۔ آپ کو اس کا علم حضرت جبریل کے ذریعہ ہوتا۔ ہر آیت کے نز
حضرت جبریل آپ کو بتاتے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد فلاں سورہ میں لکھی جا
ثابت ہوا کہ صحابہ کی جد وجہد قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے تھی نہ کہ اس کو
لیے۔ قرآن لوح محفوظ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ا
دنیا پر نازل کیا پھر ضرورت پر متفرق طور سے نازل ہوتا رہا۔ ترتیب نزول ترتیب
مختلف ہے۔ (۱: ۸۲)

حاشیۂ فراہی

أصاب البغوی رحمہ اللہ (۱: ۷۷) — بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا۔

(۱۲) امام سیوطی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سورتوں کو اگر مسلسل
پڑھا ہے تو اس سے یہ استدلال نہیں کرنا چاہئے کہ ان کی ترتیب بھی اسی طرح ہے
سے قبل سورۂ نساء پڑھنے کی روایت رد نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ قرارت میں
ترتیب واجب نہیں، اور شاید آپ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو۔ (۱: ۸۴)

حاشیۂ فراہی

روایۃ قراءت النساء قبل آل عمران لاتصح (۱: ۷۹) — آل عمران سے قبل نساء کے قرارت کی روایت صحیح نہیں ہے۔

(۱۳) حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آیت ذیل کو اس طرح پڑھتے تھے:
"وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا" الورود الدخول (مریم: ۷۱)

(۲) امام زرکشی کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد امام سیوطی نے اپنی رائے لکھی ہے کہ سبب نزول اس واقعہ کو کہیں گے جس کے زمانہ وقوع میں آیت کا نزول ہوا۔ (۱: ۴۲)

حاشیۂ فراہی

اخطا فیما فہم من سبب النزول — سبب نزول کے سمجھنے میں غلطی کی۔ (۱: ۳۹)

(۳) امام سیوطی لکھتے ہیں: بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت متعدد بار نازل ہوئی۔ یہ بات میں نے کتاب (الکفیل بمعانی التنزیل) میں دیکھی ہے۔ (۱: ۴۸)

حاشیۂ فراہی

لم یذکر اسم المصنف لکتاب الکفیل بمعانی التنزیل (۱: ۴۴) — کتاب (الکفیل بمعانی التنزیل) کے مصنف کا نام ذکر نہیں کیا۔

(۴) الاتقان میں ہے: بہت سے عوام کا گمان ہے کہ "سبعۃ أحرف" سے مراد قراءات سبع ہیں اور یہ جہل قبیح ہے۔ (۱: ۶۶)

حاشیۂ فراہی

القراءات السبع لیست التی أرید من الاحرف السبعۃ (۱: ۶۲) — "سبعۃ أحرف" سے مراد قرارات سبع نہیں ہیں۔

(۵) الاتقان میں ہے: صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ مصاحف عثمانیہ کو ان صحیفوں سے نقل کیا جائے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھوائے تھے، اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس کو ترک کر دیا جائے۔ مولانا فراہی نے ذرا ترمیم کے ساتھ یہی عبارت نقل کر دی ہے (۱: ۶۶)

حاشیۂ فراہی

اجمع الصحابۃ رضی اللہ عنہم علی نقل المصاحف العثمانیۃ من المصحف الاول — حضرات صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ مصاحف عثمانیہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ